# تدبر قرآن کی سائنسی جہت کے اطلاقات کا تجزیہ

# *An Analysis of The Relevancy of Scientific Aspect of The Contemplation on Quran*

**Dr. Kalsoom Razzaq**
*Assistant Professor Islamic Studies, Govt. Associate College for Women Mustafa Abad, Dharampura, Lahore*
kalsoomrazzaq9@gmail.com

**Dr. Shaista Jabeen**
*Assistant Professor Islamic Studies, Govt. Graduate College for Women Jhang Sadar*
shaista.sadhana@gmail.com

## Abstract

*On the one hand Quran is the final book and on the other it is an inclusive book. Quran Majeed is the source of intellectual and spiritual guidance for humans and is the complete code of life and set of ethics of living. Quran Hakeem has enjoined mankind to observe, think, ponder and cogitate over universe. The process of contemplation and pondering commenced during the age of Prophet (PBUH), continued to progress in every period of time. Current age is considered to be an era of science and technology. This process of contemplation and pondering didn't halt even in the field of science and technology and Islamic teachings of the Quran have opened new avenues in the realm of science. Admitting science as a principle with other present-times basis for the interpretation and understanding of Quran helps to disclose the Quranic rationale in the light of new discoveries. Many interpreters of Quran used this principle of interpreting Quran in the contemporary times. Some interpreters of Quran*

*tried to keep pace with the modern times and align religion with science and technology and poured exhaustive discussions on the laws of science of universe, concealed and undisclosed characteristics as well as the evident facets of universe in the books of commentaries of Quran. The trend to study the creation of heavens and earth, genesis, flora and fauna and other features of nature in the light of Quran Hakeem started. Scientific aspect of the contemplation on Quran is seen in the context of relevancy in the exegesis literature of the sub-continent. Therefore, we find a number of such commentaries and books in which the literal meaning of the Quranic verses in explained in the light of scientific principles and discoveries. In this context, few important examples will be taken up in this article.*

**Keywords:** *Quran, Contemplation, Pondering, Science, Technology.*

تدبر قرآن کی سائنسی جہت کو برصغیر کے تفسیری ادب میں اطلاقی تناظر میں دیکھا جاتا ہے تو ہمیں متعدد ایسی تفاسیر و کتب ملتی ہیں جن میں آیات قرآنیہ کا معنوی پہلو سائنسی نظریات و اکتشافات میں واضح کیا جاتا ہے۔ اس تناظر کی چند اہم مثالوں کا اس مضمونِ ھذا میں جائزہ لیا جائے گا۔

## نظریہ ارتقاء-سائنسی اور قرآنی تناظر میں

جدید سائنس نے انسان کی اصل تلاش کرنے کی جستجو میں نوعی ارتقاء کا نظریہ پیش کیا جس کے مطابق انواع میں تغیر کا ایک مسلسل عمل جاری رہتا ہے۔ یہ تغیر و تدریج نظریہ ارتقاء کہلاتا ہے، جس کے مطابق نوع ادنی درجہ سے ترقی کرتی رہی ہے یہاں تک کہ انسان وجود میں آگیا۔ Merriam-Webster Dictionary میں ارتقاء(Evolution) کی تعریف یوں ہے۔

> Evolution: The process by which different kinds of living organisms are thought to have developed and diversified from earlier forms during the history of the earth. [1]

1 J.A Simpson & E.S.C Weinere, The Oxford English Dictionary, (England: Clarendon Press Oxford, 1987), 5/ 476, 477.

ارتقاء: نسل در نسل تسلسل سے گزرتے ہوئے جاندار چیزوں کا پہلے سے موجود صورتوں (وضع) سے نئی قسموں یا آبادیوں میں ظہور پذیر ہونے کا عمل۔ نیز: وہ سائنسی نظریہ جو جدید انواع اور قسموں کو مختلف حیاتیاتی طریقہ کار (جیسے قدرتی انتخاب، جینیاتی تبدیلی یا رجحان اور جینیاتی ملاپ کے) اثر کے نتیجے میں ظاہر ہونے کو بیان کرتا ہے۔

رابرٹ چارلس ڈارون (1809 - 1882ء) نظریہ ارتقاء مدلل و منظم انداز میں 1859ء میں شائع ہونے والی شہرہ آفاق اور انقلاب انگیز کتاب اصل الانواع (On the Origin of Species by Means of Natural Selection) میں سامنے لائے۔ ڈارون نے Origin of Man اور پھر The Decent of Man کتابیں لکھ کر اپنے نظریہ کی مزید تائید کی۔ اس نظریہ کی رو سے انسان کسی فوق الطبیعی قوت یا صانع و حکیم کی الگ طور سے تخلیق کردہ مخلوق نہیں ہے بلکہ یہ لاکھوں برس پہلے کیڑے کی شکل میں رینگتی ہوئی زندگی سے تنازع للبقاء، بقائے اصلح اور انتخاب طبیعی کے نتیجہ کے طور پر وجود میں آیا ہے۔ ابتدائے حیات، تسلسل حیات، تدریج وار تقاء اور کاروبار کائنات کے لئے کسی خدا کی ضرورت نہیں بلکہ یہ سب کچھ آپ سے آپ میکانکی انداز میں ہو جاتا ہے۔ ڈارون نے کتب مقدسہ کے نظریہ تخلیق انسانی اور اس سلسلہ میں کسی خدائی منصوبے کے تصور کا بالکلیہ اور خصوصیت کے ساتھ انکار کیا ہے۔ نظریہ ارتقاء کے تحت انسان دراصل ادنی جانداروں یعنی کیڑوں مکوڑوں سے رفتہ رفتہ لاکھوں برس میں انتخاب طبیعی (Natural Selection) اور بقائے اصلح (Survival of the fittest) کے اصولوں کے تحت مرحلہ وار ترقی کرتا ہوا موجودہ شکل میں نمودار ہوا ہے۔ نظریہ ارتقاء اگرچہ سائنسی دلائل کے لحاظ سے انتہائی کمزور تھا۔ تاہم اسے اس کی مذہب بیزاری کی بناء پر قبولیت عامہ حاصل ہو گئی اور پروفیسر ایم۔ اے قاضی کے بقول کمیونسٹ اور غیر مذہبی رجحانات کے حامل افراد اور روایتی دینی تصورات سے برسرجنگ سائنسدانوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ گویا نظریہ ارتقاء کی قبولیت عامہ کا سبب درحقیقت اس کا مذہب مخالف ہونا تھا۔ ورنہ جہاں تک سائنسی دلائل کا تعلق ہے یہ نظریہ انتہائی کمزور ہے۔ ڈارون اور ان کے پرجوش متعبین اپنی جان توڑ کوششوں کے باوجود اسے آج تک حتماً ثابت نہیں کر سکے۔ اسلامک اکیڈمی آف سائنسز عمان، اردن کے صدر پروفیسر ایم۔ اے قاضی رقمطراز ہیں۔

> Darwin's observations were more sociological and ideological in nature rather than scientific. Therefore, they found favor with people of a theistic, communist or non-religious tendency and as as well as the community of scientists who were at the time on war path with orthodox religious scholars. The scientific content of Darwin's theory was very weak and could not hold for long. It was demolished very early as soon as it was found that his concepts were fragile and his ideas outmoded.[2]

## نظریہ ارتقاء اور قرآنی مفکرین:

تجدد پسند قرآنی مفکرین نے نظریہ ارتقاء کو فوراً اپنالیا۔ سرسید احمد خان جنہوں نے یورپ میں ایک عرصہ گزارا۔ اسی نظریہ کو فطرت کے مطابق پایا تو اسے قبول کر لیا۔ اور اپنی تفسیر میں تخلیق و ہبوط آدم سے متعلق آیات کو ڈاروینی ارتقائیت سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی۔ آدم کے شخصی وجود سے انکار کرتے ہوئے لکھا ہے، "آدم کے لفظ سے وہ ذات خاص مراد نہیں جس کو عوام الناس اور مسجد کے ملا باوا آدم کہتے ہیں بلکہ اس سے نوع انسانی مراد ہے"۔[3] سرسید کے نزدیک قصہ آدم کوئی واقعی قصہ نہیں بلکہ فطرتِ انسانی کا زبانِ حال سے بیان ہے۔ جنت میں رہنا اس کی فطرت کے اس حال کا بیان ہے جب وہ امر و نہی کا مکلف نہ تھا۔ شجر ممنوعہ کے پاس جانا اور اس کا پھل کھانا اس حالت کا بیان ہے جب وہ مکلف ہوا اور ہبوط سے اس کی فطرت کی اس حالت کا تبدل مراد ہے جبکہ وہ غیر مکلف سے مکلف ہوا۔ وہ انسان کی متعدد اشیاء کی ترکیب کیمیاوی کے نتیجہ کے طور پر سامنے آنے والی مخلوق قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں "ترکیب کیمیاوی یہ ہے کہ دو چیزیں آپس میں اسطرح ملیں کہ از خود جدا نہ ہو سکیں بلکہ وہ دونوں مل کر ایک تیسری چیز بن جاوے پس تراب اور طین اور صلصال اور حماء مسنون اور ماء کی ترکیب کیمیاوی سے جو چیز پیدا ہوئی ہے اس سے انسان پیدا ہوتا ہے۔ وہ چیز غالباً وہ سطح ہے جو سطح آب پر جمع ہو جاتی ہے اور نہ مٹی ہوتی ہے اور نہ ریت گارا، نہ کیچڑ بلکہ ان سب کی ترکیب کیمیاوی سے ایک اور ہی چیز بن جاتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اسی سے تمام جاندار انسان و

2 M.A., Kazi, Concepts and Scientific Theories, (Jordon: Islamic Academy of Sciences,1999), 28, 29.

3 سرسید احمد خان، تفسیر القرآن، وھو الھدی والفرقان، (لاہور: دوست ایسوسی ایٹس، اردو بازار 2004ء)، 124۔

حیوان مخلوق ہوتے ہیں اور یہی بات قرآن سے پائی جاتی ہے۔[4]

غلام پرویز نے انسانی ارتقاء کے ڈارونی نظریے کو قبول کرتے ہوئے حضرت آدم اور ان کی تخلیق سے متعلق آیات کی تشریح اسی زاویے سے کی ہے۔ ان کے نزدیک تخلیق انسانی سے متعلق قرآنی اشارات انسانی فکر کا رخ نظریۂ ارتقاء کی طرف ہی موڑتے ہیں۔ڈارونیت پر ایمان نے آدم کے شخصی وجود سے انکار اور شرف انسانی سے گریز کی راہ کے ساتھ ساتھ پرویز صاحب نے یہ ثابت کرنے پر بھی بڑا زورِ قلم صرف کیا کہ انسان اشرف المخلوقات نہیں۔[5] آدم سے کوئی بشر یا انسان خاص مراد نہیں اور قصہ آدم خود نوع انسانی کی سرگزشت ہے۔[6]

علامہ عنایت اللہ مشرقی تخلیق انسانی سے متعلق آیات کی تعبیر و تشریح ڈارون کے مسئلہ ارتقاء کے مطابق کرتے ہیں اس لحاظ سے اپنی تفسیر "تذکرہ" میں ڈارون کے نظریہ ارتقاء کو اصولِ تفسیر کے طور پر اختیار کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں نظریہ ارتقاء کو بعینہ تسلیم کرنے کے بعد اس کا انکار کرنے والے طبقے کو مسلمانوں کی کم علمی گردانتے ہیں۔"[7]

## نظریہ ارتقاء قرآنی آیات کی سائنسی تعبیرات

نظریہ ارتقاء کو قرآن سے ثابت کرنے کے لئے تجدد پسند مفسرین نے جن آیات سے استشہاد کیا ہے وہ درج ذیل ہیں:

نفس واحدہ سے مراد

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا[8]

اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا پھر اسی سے اس کی بیوی پیدا کی پھر ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں دنیا میں پھیلا دیئے۔

---

4ایضاً،130۔

5ایضاً،41/2۔

6غلام احمد پرویز، مطالب الفرقان،(لاہور: ادارہ طلوع اسلام ٹرسٹ گلبرگ، س۔ن)،41/2۔

7علامہ عنایت اللہ المشرقی، تذکرہ،(لاہور: الفیصل ناشران وتاجران کتب، س-ن)،11/1۔

8النساء4: 1-

علامہ مشرقی نفس واحدہ سے مراد وہی خلیہ یا جوڑ میں موجود خوردبینی مخلوق لیتے ہیں نہ کہ بشر۔[9] وہ لکھتے ہیں کہ روئے زمین پر زندگی کی ابتداء صرف ایک خلیے سے ہوئی جو فی الاصل وہ خوردبینی حیوانات تھے جو شروع شروع میں روئے زمین پر تن تنہا نمودار ہوئے تھے۔ انہی خلیوں کے استعمار اور اجتماع سے زیادہ پیچیدہ اعضاء کے حیوانات رفتہ رفتہ روئے زمین پر قائم ہوتے گئے۔ حتی کہ زندگی کی تکمیل اشرف الخلق انسان پر ہوئی۔[10]

غلام پرویز نفس واحدہ سے پہلا جرثومہ حیات لیتے ہیں وہ لکھتے ہیں کہ " حیات کے جرثومہ اولین (Protoplasm) کی ابتداء سمندر میں ہوئی تھی، کیونکہ اس میں اس نوعیت اور تناسب کے نمکیات پائے جاتے ہیں جیسے سمندر کے پانی میں۔ سمندر کا پانی جب اپنے کنارے کی مٹی سے ملا تو اس سے وہ پہلا (Cell) خلیہ وجود میں آگیا جس میں زندگی اپنی ابتدائی شکل میں ہمارے سامنے آتی ہے۔ اس خلیہ میں ہنوز نر و مادہ کی تمیز نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے اسے سائنس کی اصطلاح میں (Unicellular Organism) کہتے ہیں۔ اس کے بعد سلسلہ ارتقاء شروع ہوا۔ نفس واحدہ جوش نمو سے دو حصوں میں بٹ گیا، جن میں سے ایک حصہ نے نر کی شکل اختیار کر لی اور دوسرے نے مادہ کی اور یوں زندگی کے پیکروں کا سلسلہ آگے بڑھنے لگا۔ یہ سلسلہ بڑھتے بڑھتے مختلف شاخوں میں پھیل گیا۔ ان میں سے ایک شاخ نوع حیوانات کی ہے۔ اسی سلسلہ ارتقاء نے ایک قدم آگے بڑھایا تو زندگی نے انسانی پیکر اختیار کیا۔[11]

**روایتی تعبیر:**

یہ تصور اس لحاظ سے درست نہیں ہے کہ (خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا) کے الفاظ اس بات کی دلیل ہیں کہ اس جوڑے سے آئندہ نسل توالد و تناسل کے ذریعہ چلی تھی جب کہ جرثومہ حیات کی صورت یہ نہیں ہوتی آج بھی جراثیم کی افزائش اسی طرح سے ہوتی ہے کہ ایک جراثیم کٹ کر دو حصے بن جاتا ہے پھر ان میں سے ہر ایک کٹ کر دو حصے بن جاتا ہے۔ اس طرح افزائش ہوتی چلی جاتی ہے۔ ان میں توالد و تناسل نہیں ہوتا لہذا وہ ایک جرثومہ کے دو

---

9 المشرقی، تذکرہ، 1/212۔

10 ایضاً، 1/213-

11 غلام پرویز، مطالب الفرقان، 5، 6/2۔

ٹکڑے تو کہلا سکتے ہیں زوج نہیں کہلا سکتے۔[12]

تفسیر ابن کثیر میں ہے: نفس واحدہ سے مراد حضرت آدم ہیں یعنی اللہ تعالی نے اس آیت میں اپنی قدرت کاملہ کا بیان فرمایا ہے کہ اس نے تم سب کو ایک ہی شخص یعنی حضرت آدمؑ سے پیدا کیا، آپ سوئے ہوئے تھے کہ بائیں طرف کی پسلی کی پچھلی طرف سے حضرت حواؑ کو پیدا کیا ان کی بیوی۔ یعنی حضرت حواؑ کو بھی انہی سے پیدا کیا۔ پھر ان دونوں سے یعنی آدم وحواؑ سے بہت سے انسان مرد وعورت جو ہر طرف دنیا میں پھیلا دیئے۔[13] یعنی پھر ان دونوں سے تمام بنی آدم کی نسل چلی۔ قرآن کریم انسان کی مخلوقیت کو بار بار نمایاں کر رہا ہے اور ہر اس نظریہ اور عقیدہ کی تردید کر رہا ہے جو انسان کی تخلیق کے منافی ہے۔[14]

**علق کا مفہوم:**

ارشادِ ربانی ہے: **اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ** [15] پڑھو اپنے پروردگار کا نام لے کر جس نے سب کچھ پیدا کیا۔ اس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا ہے۔

ڈاکٹر رفیع الدین "قرآن اور علم جدید" میں آیت مبارکہ "خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ" کے تحت جدید دریافت شدہ مادہ حیات ایبا کو گوشت کے لوتھرے سے تشبیہ دیتے ہیں۔ اس آیت کا اطلاق ایک فرد انسانی اور نسل انسانی کے ارتقاء پر کرتے ہیں۔[16]

اس لئے یہ متجددین عَلَقٍ سے جونک مراد لیتے ہیں اور رحم مادر کی کیفیت قرار نہیں دیتے بلکہ ارتقائی زندگی کے سفر کا وہ دور مراد لیتے ہیں جب جونک کی قسم کے جانور وجود میں آئے اور کہتے ہیں کہ انسان انہی جانداروں کی ارتقائی شکل ہے۔[17]

---

12 عبد الرحمن، کیلانی، آئینہ پرویزیت، (لاہور: مکتبہ السلام، اکتوبر 2004ء)، 219۔

13 ابو الفدا اسماعیل بن عمر بن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، س-ن)، 2/181؛ مفتی محمد شفیع، معارف القرآن (کراچی: ادارہ المعارف، ستمبر 2016ء)، 2/279، حقانی، تفسیر حقانی، 3/206

14 الماجد دریا آبادی، تفسیر ماجدی، (لاہور: پاک کمپنی، اردو بازار، س۔ن)، 210۔

15 العلق 96: 1-2

16 ڈاکٹر رفیع الدین، قرآن اور علم جدید (لاہور: ڈاکٹر رفیع الدین فاؤنڈیشن، 2006ء)، 162۔

17 کیلانی، آئینہ پرویزیت، 219۔

**روایتی تعبیر:**

علق کا لغوی مفہوم نرومادہ کے ملاپ کے بعد نطفہ کا جمے ہوئے خون کی شکل اختیار کر لینا ہے۔ قدیم مفسرین اور ماہرین لغت نے پر عام طور پر تخلیق انسانی کے مرحلہ علقۃ کو "جمے ہوئے خون" میں لیا ہے۔[18]

یہ رحم مادر کا قصہ ہے یا ارتقائے زندگی کے سفر کی داستان ہے تو اس اشکال کو قرآن ہی کی سورۃ المومنون کی یہ آیت دور کر دیتی ہے۔

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ فَتَبَارَكَ اللهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ[19]

اس آیت سے تخلیق کے درج ذیل مراحل معلوم ہوتے ہیں۔ 1- نطفه 2- علقه 3 - مضغه 4- عظام 5 -لحم [20]

انسان کی پیدائش کے یہ تدریجی مراحل صاف بتارہے ہیں کہ یہ رحم مادر میں ہونے والے تغیرات ہیں۔ کیونکہ ارتقائے زندگی کے مراحل ان پر منطبق نہیں ہوتے۔ نیز یہ بھی کہ قرآن مجید نے "علق" یا "علقہ" سے مراد رحم مادر میں جما ہوا خون ہی لیا ہے۔ اس سے ارتقائی نظریہ کی جونک مراد نہیں۔

زمین سے روئیدگی

مسئلہ ارتقاء کے انقلابی و تعمیری سلسلے کی مثال شجر ارتقاء کی ہے جس کی کئی شاخیں ہیں۔ اس تنے کی بلند ترین شاخ انسان ہے پھر اس کی بھی کئی فروع ہیں جو رنگ نسل اور فہم و ادراک کے اختلاف کے لحاظ سے قوی تر، صالح تر اور ممیز تر ہیں۔ جس قوم یا نسل کی حکومت صورتاً اور معناً اس زمین پر قائم رہے وہی آج اصلح ہے اور اسی اصلح نوع کا ہی اس عظیم الشان درخت کی چوٹی پر متمکن ہونا طرہ امتیاز ہے۔ علامہ مشرقی نظریہ ارتقاء کی اس شق کی تائید میں قرآن کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ کتاب خدا میں شجر ارتقاء کی اس صورت کو بہت پہلے ہی پر

---

18 ابوحیان محمد بن یوسف اندلسی، تحفۃ الادیب بما في القرآن من الغریب، (بیروت: المکتب الاسلامی، 1403ھ)، 232؛ ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور، لسان العرب، (بیروت: دار احیاء التراث العربی: 1418ھ)، 10/267۔

19 المومنون، 23: 14-

20 مفتی شفیع، معارف القرآن، 6/300، طاہر القادری، تفسیر منہاج القرآن، (لاہور: منہاج القرآن پبلکیشنز، 1997ء) 506/1۔

معنی انداز میں پیش کر دیا گیا تھا۔[21] ارشاد ربانی ہے:

وَاللَّهُ أَنْبَتَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ نَبَاتٍ [22](اور اے ساکنانِ زمین ! خدائے عظیم نے تم کو زمین سے ایک درخت کی طرح اگا یا )[23] استدلال یہ ہے کہ "گو یا جب انسان کے زمین سے درخت کی مانند اگنے کی ظاہری صورت کوئی نہیں تو ان الفاظ وحی کے لامحالہ کوئی اور عظیم الشان معانی ہیں، جن کی تعلیم دینے کے لئے رب بے مثال نے ایک مستقل آیت بھیجنے کی تکلیف گوارا کی "۔ [24]

غلام پرویز اس آیت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:"اور ہم نے تمہیں زمین سے اگایا ایک طرح کا اگانا۔ مراد یہ ہے کہ انسان نباتات اور حیوانات کے راستہ سے ہوتا ہوا وجود میں آیا ہے۔[25]

## روایتی تعبیر:

آیت مندرجہ بالا میں بنت کا لفظ حقیقی معنی کے اعتبار سے ہر بڑھنے والی چیز پر بولا جاتا ہے۔ نباتات، حیوانات اور انسان سب پر اس کا یکساں استعمال ہوتا ہے۔[26] اس لفظ کا معنی پرورش کرنا بھی ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:وَأَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا [27](اور اسے اچھی طرح پرورش کیا)۔

اگانے سے مراد پیدا کرنا، من الارض سے مراد ہے: زمین سے پیدا کیا یعنی آدم کو مٹی سے بنایا۔ یہ کہ تم کو نطفہ سے پیدا کیا اور نطفہ کو غذا سے، غذا زمین سے پیدا ہوتی ہے۔[28]

عبد الحق حقانی آیت وَاللَّهُ أَنْبَتَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ نَباتاً کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ "اللہ نے تم کو زمین سے

---

21المشرقی، تذکرہ، 1/213۔

22نوح71: 17-

23المشرقی، تذکرہ، 1/182۔

24ایضاً، 1/182-

25غلام پرویز، ابلیس و آدم، (لاہور: ادارہ طلوع اسلام ٹرسٹ، گلبرگ، ط: ششم، 2000ء)، 10؛ سلسبیل، (لاہور: ادارۂ طلوع ٹرسٹ گلبرگ، 1997) 95۔

26ابی القاسم الحسین بن محمد راغب اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، (بیروت: دار المعرفۃ، س-ن)، 95۔

27آل عمران 3: 37

28قاضی ثناء الله العثمانی، تفسیر المظہری، الباکستان: مکتبة الرشیدیة، 1412ھ)، 10/75۔

اگایا، حضرت آدم جو سب بنی آدم کی اصل ہیں ان کا زمین سے بنانا اور اگانا اور ان کی اولاد کا اگانا یا یوں کہیں کہ انسان نطفہ سے بنتا ہے اور نطفہ زمین کی غذاؤں سے اور وہ غذائیں زمین سے اگتی ہیں اس لئے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے تم کو زمین سے اگایا مگر نباتا کے لفظ میں اگنے کی دلکش کیفیت کی طرف اجمالاً اشارہ ہے"۔[29]

چنانچہ مفسرین کرام نے انبت کا معنی پیدا کرنا ہی لکھا ہے۔ اس لئے یہ آیت بھی نظریہ ارتقاء کی کوئی مؤثر دلیل نہیں ہو سکتی۔

**اطوار مختلفہ:**

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارَان [30] (تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کی عظمت سے بالکل نہیں ڈرتے ؟ حالانکہ اس نے تمہیں تخلیق کے مختلف مراحل سے گزارا ہے)۔ علامہ مشرقی اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں: تم اس کے قانون پر چل کر بہترین بننے کی امید نہیں رکھتے۔ حالانکہ وہی رب ہے بے مثال ہے۔ جس نے تم کو کئی طریقوں اور تخلیق کے کئی مرتبوں سے مرتقیٰ کر کے پیدا کیا ہے۔ ادنی مخلوق سے اعلیٰ مخلوق میں ترقی دے کر ایک جبلت سے دوسری اعلیٰ جبلت عطا کر کے اشرف الخلق ہونے کا وقار بخشا۔[31] علامہ مشرقی نے اس آیت سے ارتقائے زندگی کے مراحل مراد لئے ہیں۔

**روایتی تعبیر:**

جمہور مفسرین کرام "طرح طرح سے بنایا" سے مراد انسانی تخلیق کے تمام مراحل لیتے ہیں کہ تم اول نطفہ تھے، پھر علقہ ہوئے پھر مضغہ ہوئے، پھر انسان بنے پھر سب کا ڈھانچ ایک ہے مگر صورتیں جدا جدا۔ یہ نہ مادہ

29ابو محمد عبد الحق حقانی، تفسیر فتح المنان ( تفسیر حقانی)، (لاہور: الفیصل ناشران ، اردو بازار،اکتوبر 2009ء)،7/250۔

30نوح 71: 13، 14-

31المشرقی ، تذکرہ، 1/182۔

کے شعور کا کام ہے نہ طبیعت کی کاریگری ہے۔ آخر کوئی علیم و خبیر ہے نے یہ بڑا کام کیا ہے، یعنی ذاتِ باری تعالی۔[32] لہذا اس آیت سے بھی نظریہ ارتقاء کی تائید کے لئے مؤثر دلیل کی فراہمی ممکن نہیں ہے۔

آدم اولین فرد بشر

وَلَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنَاكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ لَمْ يَكُنْ مِنَ السَّاجِدِينَ [33](ہم نے تمہیں پیدا کیا، پھر تمہاری صورت بنائی پھر فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو)۔

غلام پرویز اس آیت سے یوں استدلال کرتے ہیں کہ آدم کے ذکر سے قبل، بنی نوع انسان (جن کے لئے یہاں جمع کی ضمیر کُمْ استعمال ہوئی ہے) کی تخلیق کا ذکر ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ خلق آدم سے قبل، یہ لوگ پیدا ہو چکے تھے، لہذا آدم اول البشر اور ابو البشر نہیں تھے۔[34]

**روایتی تعبیر:**

ابن کثیر میں ہے: قتادہ اور ضحاک اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں، کہ ہم نے آدم کو پیدا کیا پھر اس کی ذریت کی تشکیل کی۔ لیکن اس میں غور طلب مقام ہے۔ اس لئے کہ اس کے بعد فرمایا ہے کہ "قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ " تو یہ چیز دلالت کرتی ہے کہ اس سے مراد آدم ہیں اور یہاں جمع کے ساتھ جو کہا گیا ہے اس کو وجہ یہ ہے کہ آدمؑ ابو البشر ہیں۔ جیسے کہ اللہ تعالی خطاب تو فرماتا ہے نبی ﷺ کے زمانے کے بنی اسرائیل سے یعنی "وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَى كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَمَا ظَلَمُونَا وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ" (البقرۃ،2: 57) یعنی غمام اور من وسلویٰ تو موجودہ بنی اسرائیل کے آباءواجداد پر آیا تھا۔ چنانچہ مراد تو وہی لوگ ہیں جو بزمانہ حضرت موسیٰ تھے لیکن آباؤاجداد پر احسان کرنا بھی دراصل ان کی نسل پر بھی احسان کرنا ہوتا ہے تو گویا یہ احسان اولاد پر بھی ہوا تھا، اس لئے خطاب کم کے ساتھ ہوا تو گویا آدم سے آدم اور اولاد آدم سب مراد

---

32 ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابی بکر قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، (القاھرۃ: دار الکتب المصریۃ، 1384ھ)، 18/303؛ ابو محمد الحسین بن مسعود، معالم التنزیل في تفسیر القرآن، (بیروت: دار احیاء التراث العربی، 1420ھ)، 5/157؛ حقانی، تفسیر حقانی، 7/250؛ سید ابو الاعلی مودودی، تفہیم القرآن، (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، 2012ء)، 6/102۔

33 الاعراف 7: 11-

34 غلام پرویز، مطالب الفرقان، 62، 2/63۔

ہیں۔ یعنی سب کو جمع کیا گیا۔ بر خلاف اس قولِ باری کے کہ "وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ طِينٍ" (المومنون، 12:23) یہاں لفظ انسان سے جنس انسان مراد نہیں ہے یعنی جمع مراد نہیں بلکہ متنفس یعنی آدم کی ذات مراد ہے جو مٹی سے بنے تھے۔ لیکن ان کی تمام ذریت مٹی سے نہیں بلکہ نطفہ سے بنی ہے۔ اب انسان کو مٹی سے بنا ہوا صرف اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے باپ آدم انسان کی طرح نطفہ سے نہیں بلکہ مٹی سے بنے تھے۔[35]

محمد دین قاسمی رقمطراز ہیں: آدم کو سجدہ کرنے کے حکم سے پہلے خَلَقْنَاكُمْ اور صَوَّرْنَاكُمْ میں جمع کی ضمیریں، کسی مصلحت کی آئینہ دار ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آیت زیر بحث اور اس سے قبل کی آیات میں اللہ تعالی نے بنی نوع انسان پر کی جانے والی نعمتوں کا ذکر کیا ہے، پہلی آیت میں یہ فرمایا کہ "ہم نے تمہیں زمین میں ٹھکانہ بخشا، اور اس میں تمہاری روزی کا سر و سامان رکھ دیا۔ (پھر بھی) تم لوگ شکر کی روش میں قصیر ہو" (الاعراف، 10:7)، چنانچہ اس آیت میں مادی نعمتوں کا ذکر ہے اور اس سے اگلی آیت میں معنوی نعمتوں کا ذکر ہے۔ جس میں سب سے بالاتر نعمت وہ اعزاز ہے جو مسجودِ ملائکہ ہونے کی حیثیت سے انسان کو ملا، اگرچہ یہ اعزاز نوع انسانی کے مورث اعلیٰ کو ملا تھا، مگر اس قاعدے کے مطابق کہ باپ پر ہونے والی نعمت، اولاد پر بھی اور اسلاف پر کئے جانے والے انعامات اخلاف پر بھی متصور ہوتے ہیں، اس اعزاز کو تمام اولاد آدم کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔[36]

قرآن انسان سے متعلق اشرف المخلوقات کا تصور پیش کرتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کی تخلیق بہترین انداز و ساخت پر کی۔ ارشادِ ربانی ہے: "لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ" (التین، 4:95) تخلیق انسانی کے ابتدائی مراتب جو قرآن مجید میں بیان کئے گئے ہیں وہ یوں ہیں (1) نواب: یعنی مٹی یا خاک (كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ، آل عمران، 3 : 59 (2) طین: یعنی گارا جو مٹی میں ملا کر بنایا جاتا ہے۔ (بَدَأَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ السجدة 32: 7)، (3) طین لازب: لیس دار گارا جس کے اندر کافی دیر تک پڑے رہنے کے باعث لیس پیدا ہو جائے۔ (إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِنْ طِينٍ لازب الصافات، 11:37)، (4) حما منسون: وہ گارا جس کے اندر بو پیدا ہو جائے (وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَإٍ مَسْنُونٍ، الحجر، 26:15)، (5) صلصال کالفخار: یعنی وہ سڑا ہوا گارا جو سوکھنے کے بعد پکی ہوئی مٹی کے ٹھیکرے جیسا ہو جائے۔ (خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ، الرحمن، 14:55)،

35 ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، 351، 352/ 3، قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، 168/7

36 ڈاکٹر محمد دین قاسمی، تفسیر مطالب الفرقان، علمی و تحقیقی جائزہ، (لاہور: ادارہ معارف اسلامی، منصورہ، 2009ء)، 270/

(6) بشر: جو مٹی کی اس آخری صورت سے بنایا گیا، جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص روح پھونکی، جس کو فرشتوں سے سجدہ کروایا گیا، اور جس کی جنس سے اُس کا جوڑا پیدا کیا گیا۔ (اِنِّیۡ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنۡ طِیۡنٍ فَاِذَا سَوَّیۡتُہٗ وَنَفَخۡتُ فِیۡہِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ فَقَعُوۡا لَہٗ سٰجِدِیۡنَ، ص 38:71، 72)، (خَلَقَکُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنۡہَا زَوۡجَہَا وَبَثَّ مِنۡہُمَا رِجَالًا کَثِیۡرًا وَّنِسَآءً، النساء، 1:4) (7) ثُمَّ جَعَلَ نَسۡلَہٗ مِنۡ سُلٰلَۃٍ مِّنۡ مَّآءٍ مَّہِیۡنٍ: پھر آگے اس کی نسل ایک حقیر پانی جیسے سَت سے چلائی گئی، جس کے لئے دوسرے مقامات پر نطفہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ ثُمَّ جَعَلَ نَسۡلَہٗ مِنۡ سُلٰلَۃٍ مِّنۡ مَّآءٍ مَّہِیۡنٍ، (السجدۃ، 8:32)، فَاِنَّا خَلَقۡنٰکُمۡ مِّنۡ تُرَابٍ ثُمَّ مِنۡ نُّطۡفَۃٍ، (الحج، 365:22)[37]

سورۃ الحجر کی آیت "وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ" کی تفسیر میں مولانا مودودی نے لکھا ہے کہ یہاں قرآن اس امر کی صاف تصریح کرتا ہے کہ انسان حیوانی منازل سے ترقی کرتا ہوا بشریت کے حدود میں نہیں آیا جیسا کہ نئے دور کے ڈارونیت سے متاثر مفسرین قرآن سے ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں بلکہ اس کی تخلیق کی ابتداء براہ راست ارضی مادوں سے ہوئی ہے جن کی کیفیت کو اللہ نے صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ کے الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔[38]

بہر حال یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ قرآن مجید انسانیت کے آغاز کی کیفیت ان نظریات کے خلاف بیان کرتا ہے جو موجودہ زمانے میں ڈارون کے متعبین سائنس کے نام سے پیش کرتے ہیں ان نظریات کی رو سے انسان غیر انسانی اور نیم انسانی حالت کے مختلف مدارج سے ترقی کرتا ہوا مرتبہ انسانیت تک پہنچا ہے اور اس تدریجی ارتقاء کے طویل خط میں کوئی نقطۂ خاص ایسا نہیں ہو سکتا جہاں سے غیر انسانی حالت کو ختم قرار دے کر "نوع انسانی" کا آغاز تسلیم کیا جائے۔ بخلاف اس کے، قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ انسانیت کا آغاز خالص انسانیت ہی سے ہوا ہے اس کی تاریخ کسی غیر انسانی حالت سے قطعاً کوئی رشتہ نہیں رکھتی، وہ اول روز سے انسان ہی بنایا گیا تھا اور خدا نے کامل انسانی شعور کے ساتھ پوری روشنی میں اس کی ارضی زندگی کی ابتدا کی تھی۔

کائنات کی تخلیق "بگ بینگ" سائنسی اور قرآنی نظریہ

1929ء میں Edwin Hubble نے پہلی بار یہ مفروضہ پیش کیا کہ کائنات جامد اور غیر متغیر نہیں ہے،

37 مودودی، تفہیم القرآن، 5/256؛ کیلانی، تیسیر القرآن، 2/480۔
38 مورودی، تفہیم القرآن، 2/504۔

بلکہ حرکت پذیر ہونے کے علاوہ شاید وہ مسلسل وسیع بھی ہو رہی ہے۔ اُس کی تحقیق نے " Big Bang Theory" کو جنم دیا۔ اس نظریے کو مارٹن ریلے " اور "ایلن آر سینڈ یج" نے پروان چڑھایا۔[39] اگرچہ کائنات کی تخلیق کے مختلف ماڈلز اور نظریات پیش کیے گئے تاہم ان میں کائنات کی تخلیق کا مقبول عام نظریہ " Big-Bang Theory" (عظیم دھماکہ) کہلاتا ہے۔ Big-Bang Theory کیا ہے ؟ ڈاکٹر ہلوک نور باقی لکھتے ہیں: "کئی عشروں کے غور وخوض اور تحقیقات کے بعد ماہرین علم طبیعیات اور کائناتی فزکس کے ماہرین نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ کائنات کی تشکیل کو سب سے پہلے (Big-Bang Theory) کے نظریہ نے ہی بیان کیا ہے۔ یہ نظریہ دو سائنسدانوں Martin Ryle اور Allan R.Sandage نے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔ اس نظریے کی رو سے کائنات ایک ناقابل یقین کثیف دھوئیں دار نکتے یا مقام سے پھٹ کر وجود میں آگئی۔ اس مقام یا نکتہ کو اکائی (Singularity) کا نام دیا گیا۔ کائنات کی تشکیل کے پہلے مرحلہ میں یہ اکائی یا اتنی شدید گرم حالت میں تھی کہ اس کی حدت کے متعلق قیاس آرائی کرنا بھی عبث ہے ایک سیکنڈ کے سوئیں حصہ میں یہ اکائی ایک ابتدائی آگ کے گولے کی صورت میں پھیل گئی اور اس کا درجہ حرارت تقریباً ایک سو ارب ڈگری کیلون تک تھا اس کے گاڑھے شوربے جیسے وجود سے اس وقت تک پروٹون اور نیوٹرون نکل کر پھیل نہیں گئے تھے اور نہ ہی مشہور چاروں اندرونی مادی باہمی عمل (Physical Interactions) برآمد ہوئے تھے۔ تب اس گاڑھے شوربے جیسی چیزیں یعنی مادہ اور توانائی متواتر ایک دوسرے میں تحلیل ہو رہے تھے اور چاروں اندرونی باہمی عمل (Interactions) ایک مضبوطی سے جڑے ہوئے تھے۔

جیسے جیسے یہ انتہائی گرم اور دھوئیں سے اٹی ہوئی آتشی گیند پھیلنا شروع ہوئی۔ یہ بتدریج ٹھنڈی بھی ہونے لگی چنانچہ ایک مکمل ترتیب کی صورت پیدا ہونا شروع ہو گئی۔ پہلے پہلے کشش ثقل کی قوت یا مخالف باہمی عمل سے علیحدہ شکل میں الگ ہوئی اور اس کے بعد طاقتور اور کمزور برقی کشش کے مخالف باہمی عمل ( Electromagnetic Interaction) خود اس ہی ترتیب سے پیدا ہوئے آسمانوں اور زمین کا دھماکے سے علیحدہ ہونا وقوع پذیر ہوا۔ اور ترتیب کے ٹوٹ جانے اور ابتدائی ترتیب دیئے گئے مخالف باہمی عمل (Symmetrical Interactions) کے

39 طاہر القادری، اسلام اور جدید سائنس (لاہور : منہاج القرآن پبلیکیشنز، س-ن)، 318؛ تفسیر منہاج القرآن، 556، 557/1۔

علیحدہ (چاک) ہونے کی وجہ سے فزکس کے علم کے چار جانے پہچانے " مخالف باہمی عمل " پیدا ہوئے۔ دوسرے لفظوں میں نہ صرف ابتدائی اکائی کائنات سے ٹوٹ کر علیحدہ ہوئی بلکہ اس کے قوانین کی علیحدہ پہچان بھی اس قسم کے عمل کی وجہ سے ظاہر ہوئی۔ پھر اللہ نے اپنی بے پناہ اور لامحدود شان کے طفیل کائنات کو ایک نکتے یا مقام سے پوری طرح پھیلا دیا۔ جس کھچاؤ یا تناؤ کے ذریعے یہ عمل وقوع پذیر ہوا۔ اللہ نے آسمانوں کو ترتیب دیا پھر اس تناؤ کے ذریعے زمین کو قائم کیا اس طرح موجودہ نظر آنے والی کائنات اور اس کے قوانین کو پیدا اور جاری کیا۔[40]

**قرآنی آیات سے استدلال۔ سائنسی تعبیر:**

ارشادِ ربانی ہے: أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا (الانبیاء 21: 30 ) (جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے، کیا انہیں یہ معلوم نہیں ہے کہ سارے آسمان اور زمین بند تھے، پھر ہم نے انہیں کھول دیا۔)

آیت کا اندازِ خطاب " أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا " پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت مبارکہ ایک پیشین گوئی بھی تھی یعنی کائنات کے آغاز سے متعلق یہ سائنسی دریافت سب سے پہلے غیر مسلم کریں گے اور معاملہ بھی ایسا ہی ہوا۔[41] " رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا " کے الفاظ مشہور بگ بینگ نظریہ کی نشاندہی کرتے ہیں۔ یہ نظریہ کائنات کی ابتداء کی وضاحت کی سائنسی کوشش کا نام ہے۔ "**رتق**" کا لفظ ایک جگہ جمع مختلف موجودات کے مجموعے کا نام ہے۔ "**فتق**" کا لفظ جدا کرنے یا الگ الگ کرنے کا نام ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ آسمان اور زمین ایک گیند کی مانند آپس میں جڑے ہوئے تھے اور پھر اس کو الگ الگ کر دیا گیا۔[42]

وحید الدین خان "تذکیر القرآن" میں لکھتے ہیں کہ "رتق" کے معنی کسی چیز کا منہ بند (منضم الاجزاء) ہوتا ہے اور "فتق" کا مطلب اس کا کھل جاتا ہے غالباً اس سے زمین و آسمان کی وہ ابتدائی حالت مراد ہے جس کو موجودہ

40 ہلوک نور باقی، قرآنی آیات اور سائنسی حقائق، مترجم: سید محمد فیروز گیلانی (کراچی: انڈس پبلشنگ کارپوریشن، 1994ء)، 123، 124۔

41 سلطان بشیر محمود، قرآن پاک ایک چیلنج۔ ایک سائنسی معجزہ (اسلام آباد: القرآن الحکیم ریسرچ فاؤنڈیشن، 2008)، 137۔

42 عبد الدائم صالح الكحيل، كنوز الاعجاز العلمى فى القرآن الكريم ( موقع المهندس عبد الدائم الكهيل، س-ن)، 42-46۔

زمانہ میں بگ بینگ نظریہ کہا جاتا ہے۔[43]

Big bang نظریے کو مشاہداتی اور تجرباتی مواد کی تائید حاصل ہے جو ماہرین فلکیات نے اکٹھا کیا ہے۔ آج اس کی حیثیت کی حقیقت کیا ہے۔ لیکن کل یہ محض ایک مفروضہ تھا۔ جب مفروضہ حقیقت میں تبدیل ہو جاتا ہے تو پھر اس کو استعمال کیا جاسکتا ہے۔ قرآن پاک ابتدائے کائنات کے متعلق سورۃ الانبیاء کی آیت أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ... میں تذکرہ فرماتا ہے۔ قرآن پاک کی آیت مبارکہ اور "بگ بینگ" کے درمیان حیرت انگیز مماثلت سے انکار ممکن ہی نہیں۔[44]

## روایتی تعبیر

أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا میں لفظ رویت (يَرَ) بمعنی علم عام ہے خواہ وہ آنکھوں سے دیکھ کر حاصل ہو یا استدلال عقلی سے۔ کیونکہ جو اس آیت میں ہے اس کا کچھ تعلق مشاہدہ اور دیکھنے سے ہے، کچھ علم استدلالی سے، أَنَّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا لفظ "رتق" کے معنی بند ہونے "فتق" کے معنی کھول دینے کے ہیں۔ ان دو لفظوں کا مجموعہ رتق و فتق کسی کام کے انتظام اور اس کے پورے اختیار کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ الفاظ آیت کا ترجمہ یہ ہوا کہ آسمان اور زمین بند تھے، ہم نے ان کو کھول دیا۔ اس میں بند ہونے اور کھول دینے سے کیا مراد ہے؟ اس کی مراد میں حضرات مفسرین نے مختلف اقوال نقل کیے ہیں، مگر ان سب میں جو معنی صحابہ کرامؓ اور جمہور مفسرین نے اختیار فرمائے وہ یہ ہیں کہ بند ہونے سے مراد آسمان کی بارش اور زمین کی پیداوار کا بند ہونا اور کھولنے سے مراد ان دونوں کو کھول دینا ہے۔[45]

مسلم مفکرین کا عموماً کائنات، آثار کائنات، مشاہدات کائنات تخلیق و تکوین کائنات سے متعلق آیات اور سائنسی نظریات میں مشابہت و مطابقت کی کوششوں سے متعلق پہلے سوال کا جواب دینے کی ضرورت ہے کہ ان سائنسی نظریات کے حتمی، قطعی اور ناقابل تغییر و تردید ہونے کی کیا دلیل ہے؟ "Big-Bang Theory" کائنات

---

43 مولانا وحید الدین خان، تذکیر القرآن (نئی دہلی: مکتبہ الرسالہ، س۔ن)، 5/901۔

44 ذاکر نائیک، خطبات ڈاکٹر ذاکر نائیک، مترجم: سید امتیاز احمد (لاہور: دار النوادر، 2010ء)، 148۔

45 ابو القاسم محمود بن عمرو بن احمد زمخشری، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل (بیروت: دار الکتاب العربی 1407ھ)، 3/113؛ ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، 5/297 298؛ مفتی شفیع، معارف القرآن، 180، 6/181۔

کے آغاز سے متعلق کہ کوئی واحد نظریہ نہیں ہے بلکہ زمانہ حال میں متعدد نظریات مشہور ہیں، جیسے Multiple Universe (کثیر نوعی کائناتیں)، سٹرنگ تھیوری (String Theory)، اور بگ بینگ تھیوری (Big Bang Theory)۔[46]

یہ بات حیران کن ہے کہ وہ نظریہ جو خود حتمی نہیں ہے قرآن سے اخذ کر لیا گیا ہے۔ ڈاکٹر حسین نصر جیسے فلسفی دانشور، جن کا خاص موضوع تحقیق کونیات ہے۔ وہ بھی Big Bang کے مفروضات کو تسلیم نہیں کرتے۔ وہ جدید کونیاتی نظریوں پر گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تمام جدید کونیاتی نظریات کو کوئی عقل مند کبھی سنجیدگی سے نہیں لیتا۔ یہ سب ہر دس سال کے بعد تبدیل ہو جاتے ہیں۔ ان نظریوں کے بارے میں قیاس آرائی بہت ہوتی ہے۔ نامعلوم کی فضائے بسیط معلوم پر محیط ہے کہ جسے تخلیق کائنات کے بارے میں آخری اور حیرت انگیز نظریے کے طور پر پیش کیا جاتا ہے لیکن یہ نظریۂ منصہ شہود پر آنے کے بعد متروک و منسوخ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ کوئی دوسرا سائنسدان اپنی نئی دریافت کے ساتھ آجاتا ہے کہ اس نے مشاہدہ افلاک کے لئے نئے صوتی آلات ایجاد کر لئے ہیں، جو نتائج کو یکسر بدل کر رکھ دیں گے یا کوئی محقق نمودار ہو کر دعویٰ کرے گا کہ اس نے ایک نیا نظام پیمائش یا نیا ہندسی فارمولا دریافت کر لیا ہے اس طرح یکے بعد دیگرے نظریات کی قطار لگ جاتی ہے۔ اس لئے مذہبی اقتباسات کو سائنسی نظریات پر منطبق کرنے کی ضرورت اس لئے نہیں کہ عنقریب کوئی سائنسدان اٹھے گا اور ثابت کر دے گا کہ بگ بینگ نہیں ہوا تھا۔ یہ نظریہ بالکل غلط ہے۔[47]

### پھیلتی ہوئی کائنات (Expanding Universe) ۔ سائنسی اور قرآنی نقطۂ نظر

صدیوں سے ماہرین فلکیات میں کائنات کے حجم اور زندگی سے متعلق بنیادی سوالات سامنے رہے ہیں۔ کیا یہ کائنات لامحدود اور لامتناہی ہے؟ یا اس کی کوئی حد ہے۔ کیا یہ ہمیشہ سے موجود رہی ہے یا زمانہ قدیم میں کسی وقت اس کو تخلیق کیا گیا؟ 1929ء میں ماہر فلکیات Edwin Hubble نے یہ انکشاف کیا کہ "کائنات پھیل رہی ہے"۔ اس اہم دریافت نے ان سوالات کے سائنسی جوابات مہیا کر دیئے۔ قدیم یونانی حکماء کائنات سے متعلق تذبذب کا شکار رہے کہ آیا کائنات محدود ہے یا لامحدود۔ وہ جانتے تھے کہ یہ تصور کرنا مشکل ہے کہ لامحدود کائنات کیسی لگ

46 محمد ظفر اقبال، اسلام اور جدید سائنس نئے تناظر میں (ساہیوال: نوادرات، 2011ء)، 240-261۔

47 Hossein Nasr, Islam, Science, Muslims, And Technology, (Islamabad:Dost Publications, N.D), 38-46.

سکتی ہے لیکن وہ حیران تھے کہ اگر کائنات محدود ہے اور کنارہ مقرر ہے، تو ہاتھ کہاں جائے گا؟ کائنات کو یا تو محدود ہونا چاہیے یا لامحدود اور دونوں متبادلات تناقضات کا مظہر تھے۔Isaac Newton نے جب قانون کشش نقل دریافت کیا، اس نے محسوس کیا کہ کشش ثقل ہمیشہ پر کشش ہوتی ہے۔ کائنات کی ہر شے دوسری شے کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے۔ اگر کائنات صحیح معنوں میں محدود تھی، تو تمام اشیاء کی پر کشش قوتوں کو پوری کائنات کا خاتمہ کر دینا چاہیے تھا۔ واضح طور پر یہ نہیں ہوا اور ماہرین فلکیات غیر یقینی صورتحال سے دوچار رہے۔ جب آئن سٹائن نے " عمومی نظریہ اضافت" General Theory of Relativity پیش کیا تو اس نے محسوس کیا کہ وہ بھی اسی مسئلے سے دوچار ہے جس سے نیوٹن تھا۔ اس کے نظریے کی مساوات (equation) نے بتایا کہ کائنات کو پھیل رہا ہونا چاہیے یا گر جانا چاہیے۔ پھر اُس نے فرض کیا کہ کائنات ساکن تھی۔ اس کا اصل حل ایک مستقل اصلاح ٹھہری، جو کائناتی مستقل (Cosmological Constant) کہلائی۔ جس نے نقل کے اثرات کو بہت بڑے پیمانے پر ختم کر دیا اور ساکن کائنات کی طرف پیش قدمی کی۔Hubble کی دریافت کہ کائنات پھیل رہی ہے،Einstein نے کائناتی مستقل (Cosmological Constant) کو اپنی بہت بڑی غلطی مانا۔ سائنسدانوں نے سمجھ لیا کہ کائنات پھیل رہی تھی، انہوں نے فوراً محسوس کیا کہ یہ ماضی میں چھوٹی رہی ہو گی۔ پھیلتی ہوئی کائنات زمان و مکان دونوں میں محدود ہے۔ کائنات کا خاتمہ نہیں ہوا، کی وجہ جیسا کہ نیوٹن اور آئن سٹائن کی equations نے کہا، ایسا ہو سکتا ہے کہ یہ اپنی تخلیق کے وقت سے ہی پھیل رہی تھی۔ کائنات تبدیلی کی مسلسل حالت میں ہے"۔[48]

قرآن سے استدلال-سائنسی تعبیر و تشریح

ارشاد ربانی ہے:وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ [49] (آسمان کو ہم نے قوت سے بنایا ہے، اور ہم یقیناً وسعت پیدا کرنے والے ہیں)۔

اس آیت کی سائنسی تعبیر کرتے ہوئے محمد اسد "The Message of the Quran" میں رقمطراز ہیں کہ لفظ "موسعون" کائنات کے پھیلاؤ میں تسلسل کا معنی دیتا ہے۔ یہ لفظ بیان کرتا ہے کہ "سما" (کائنات) بغیر کسی وقفے کے پھیل رہی ہے۔ اس تشریح کے پس منظر میں کائنات کے پھیلاؤ کا سائنسی نظریہ ہے۔ اس کی توثیق سورۃ

48 Stephen Hawking, A Brief History of Time (United States: Bantam Books, 1988), 35-53.

49الذاریات،51: 47-

فاطر کی آیت" يَزِيدُ فِي الخَلْقِ مَا يَشَاءُ"(فاطر 1:35)(وہ اپنی تخلیق میں جو چاہتا ہے بڑھاتا جاتا ہے) سے بھی ہوتی ہے۔ قرآنی الفاظ "وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ " کائنات کے پھیلاؤ کے جدید نظریے پر روشنی ڈالتے ہیں اور واضح کرتے ہیں کہ کائنات کسی حد تک محدود ہے، خلا میں مسلسل پھیل رہی ہے۔[50]

ڈاکٹر ہلوک نور باقی لکھتے ہیں کہ "یہ آیت واضح کرتی ہے کہ کائنات ایک مرکزی نکتے یا مقام سے باہر کی طرف پھیل رہی ہے "ہم آسمان کو وسیع کر کے پھیلاتے ہیں" کے ذریعے اس پھیلاؤ کو ظاہر کرتی ہے جو تمام مخلوقات کی حیات کا بنیادی قانون ہے اور جو ان کے مقامات مہیا کرنے یا مخصوص کرنے کا باعث ہے۔ آسمانی طبیعیات کے اس پیغام کو جو چودہ صدیاں قبل انسانیت کو دیا گیا کس علم یا فہم سے سمجھا جا سکتا ہے، بجز اس کے کہ یہ قرآن کا معجزاتی راز ہے۔"[51]

سائنس کا علم اللہ کے علم سے بہت مطابقت رکھتا ہے۔ قرآن حکیم کا یہ ایک اہم عجائب ہے جو کہ علم فلکیات کی حالیہ دریافت ہے۔ کائنات میں تخلیق کا عمل جاری و ساری ہے اور یہ پھیلتی جا رہی ہے اور یہ "صدائے کن فیکون "(ہو جا، پس ہو گیا) کی صدا ہی کی بدولت ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کا قاعدہ تخلیق ہے۔[52]

## روایتی تعبیر و تشریح:

ابو منصور الماتریدی تاویلات اہل السنہ " میں اس آیت کو اللہ تعالی کی وحدانیت پر اہم دلیل تصور کرتے ہیں۔ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالی مختار کل ہے، روز محشر کی یاد دلاتی ہے، حتمی سچائی کی تردید کرنے والوں کے شک اور غلط تاثرات کو جھٹلاتی ہے۔ خالق کائنات اپنی مخلوق پر بارشوں اور رزق کی صورت میں اپنی رحمتوں کو بڑھا رہا ہے۔[53] یہ آیات خدائی کا ثبوت اور توحید کو ثابت کرتی ہیں کہ آسمان کو ہم نے قدرت کا ملہ سے بنایا اور ہم

50 Muhammad Asad, The Message of the Quran (Bayrut: Dar al-Andalus Gibraltar, 1980), 1100.

51ڈاکٹر ہلوک نور، قرآنی آیات اور سائنسی حقائق،176، 177۔

52ڈاکٹر فضل کریم، قرآن اور جدید سائنس (لاہور: فیروز سنز، 2010ء)، 162، 163۔

53ابو منصور الماتریدی، تاویلات اھل السنۃ ،( بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1426ھ)، 9/930؛ مفتی شفیع ، معارف القرآن، 169، 8/170۔

بڑے وسعت والے ہیں، یعنی قدرت والے۔[54]

قرآنی لفظ " موسعون " سے یہ اخذ کرنا کہ کائنات ہمیشہ سے پھیل رہی ہے درست نہیں ہے اور یہ قرآنی آیت کے اصل معنی کے مخالف ہے۔ قرآن کہتا ہے "کیا ان لوگوں کو یہ حقیقت نظر نہیں آئی کہ ہم ان کی زمین کو چاروں طرف سے گھٹاتے چلے آرہے ہیں"۔(الرعد، 13: 41)اس آیت کے الفاظ صریح دلالت کرتے ہیں کہ زمین دن بدن گھٹتی جارہی ہے، پھر کائنات کے پھیلاؤ کا نظریہ کیسے قابل قبول ہو سکتا ہے؟ بالکل اسی طرح دوسری قرآنی آیت میں اللہ تعالی فرماتے ہیں "إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ"(القمر 54: 49)(ہم نے ہر چیز کو ناپ تول کے ساتھ پیدا کیا ہے)، لفظ "قدر" متضاد ہے "موسعون" کے۔ کائنات جو کہ ٹھیک ٹھیک پیمائش کی گئی ہے، کے پھیلنے کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں مقصد سائنسی نظریے کو جھٹلانا نہیں بلکہ قرآنی آیت سے غلط نتیجہ نکالنا ہے۔ علاوہ ازیں اللہ خالق کائنات کو پورا اختیار حاصل ہے کہ وہ کائنات کو پھیلا دے، گھٹا دے اور ختم کر دے۔[55]

سورج اور چاند کی روشنی کے لیے ضیاء اور نور کا قرآنی فرق

جدید سائنسی دریافت کے مطابق چاند کی روشنی اس کی اپنی نہیں ہوتی۔ چاند تو محض سورج کی طرف سے آنے والی روشنی کو منعکس کر کے چمکتا دکھائی دیتا ہے۔

> The moon shines because its surface reflects light from the sun and despite the fact that it sometimes seems to shine very brightly, the moon reflects only between 3 and 12 percent of the sunlight that hit it. The perceived brightness of the moon from earth depends on where the moon is in its orbit around the planet. The moon travels once around Earth every 29.5 days, and during its journey, its lit from varying angles by the sun. The movement of the moon around the Earth - and the simultaneous orbiting of Earth around the sun - accounts for the moon's different phases (full moon, quarter moon etc). At any given point in the moon's trajectory around the

54 حقانی، تفسیر حقانی، 6/407۔

55 Dr. Usman Ahmad, "Isharatul Nass in the Quran: An Analysis of Its Role in the Quranic Interpretations"(PhD Thesis, International Islamic University Malaysia, 2015), 304.

> Earth, only half of its surface is facing the sun, and therefore, only half of the moon is lit up. The other half of the surface faces away from the sun and is in shadow.[56]

یعنی کہ چاند کی روشنی سورج کی مرہون منت ہے۔ زمین پر چاند کی چمک کے اور اک کا انحصار چاند کا سیارے کے ارد گرد اپنے مدار میں ہونے پر ہے۔ چاند ہر 5. 29 دنوں میں زمین کے گرد ایک بار چکر پورا کرتا ہے۔ چاند کی زمین کے گرد اور زمین کی بیک وقت سورج کے گرد گردش، چاند کی مختلف اشکال مثلاً پورا چاند، چوتھائی چاند و غیرہ کا باعث ہے۔ زمین کی طرح ایک وقت میں چاند کی بھی ایک ہی سمت سورج سے روشن ہوتی ہے جبکہ دوسرا نصف حصہ سورج سے دور ہونے کی بنا پر سائے میں رہتا ہے۔

**قرآنی آیت سے استدلال-سائنسی تعبیر:**

ارشادِ ربانی ہے:"هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاء وَالْقَمَرَ نُورًا "[57](وہی تو ہے جس نے سورج کو سراپا روشنی بنایا اور چاند کو نور)۔

"ضیاء" کسی چیز کی حقیقی / ذاتی روشنی ہے جبکہ "نور" خارجی روشنی ہے، جو کسی اور چیز سے حاصل ہوتی ہے۔ ضیاء جلنے کے کسی کیمیائی عمل کی پیداوار ہے جبکہ نور سورج کی روشنی کا عکس ہے۔ آیت مذکورہ سائنسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ سورج کی روشنی گیسوں کے جلنے کی پیداوار ہے جن کی تابکاری، شعاعوں کی صورت میں زمین کی طرف آرہی ہے اور انسانیت شمسی توانائی سے فائدہ اٹھا رہی ہے۔ جہاں تک چاند کی روشنی کا تعلق ہے، تو چاند ایک آئینے جیسا ہے اور سورج کی روشنی چاند سے ٹکراتی ہے۔ قرآن میں دو روشنیوں کے لیے دو مختلف الفاظ کا استعمال سائنسی دریافت کی طرف اشارہ ہے۔[58] **عبد الماجد دریا آبادی** لکھتے ہیں: ضیاء وہ روشنی ہے جو اپنی ذاتی، مستقل حیثیت رکھتی ہے۔ نور وہ روشنی ہے جو ضیاء سے مستعار ہو۔ اس کا انعکاس ہو۔ قرآن مجید میں ان دو الفاظ نے جدید سائنس کے اس بیان پر مہر تصدیق لگادی کہ چاند بذاتِ خود بے نور ہے، اس میں چمک دمک جو کچھ ہے وہ سورج کے عکس سے

56 Elizabeth Palermo, "Why Does the Moon Shine" (accessed March 24, 2024), http://www.livescience.com/45979-why-does-moon-shine.html.

57یونس10: 5-

58اسماعیل ابراھیم، القرآن والاعجاز العلمی (بیروت: دار الفکر الغربی، س-ن)، 79؛ عبد الدائم الکوھیل، کنوز الاعجاز العلمي في القرآن الکریم، 54-58-

ہے۔"[59]

## روایتی تعبیر و تشریح:

بہت سے آئمہ لغت نے دونوں الفاظ ضیاء اور نور کو بطور مترادف لیا ہے، دونوں کے معنی چمک اور روشنی کے ہیں۔ علامہ زمخشری، طیبیؒ وغیرہ نے فرمایا کہ اگرچہ روشنی کا معنی ان دونوں لفظوں میں مشترک ہے مگر لفظ نور عام ہے، ہر قوی وضعیف، ہلکی اور تیز روشنی کو نور کہا جاتا ہے جبکہ ضوء وضیاء قوی اور تیز روشنی کو کہتے ہیں۔[60] انسان کو دونوں قسم کی روشنیوں کی ضرورت پڑتی ہے، عام کاروبار کے لیے دن کی تیز روشنی درکار ہے اور معمولی کاموں کے لئے رات کی ہلکی روشنی محبوب ہے، اگر دن کو بھی صرف چاند کی پھیکی روشنی رہے تو کاروبار میں خلل آئے اور رات کو بھی آفتاب چمکتا رہے تو نیند اور رات کے مناسب کاموں میں خلل آئے، اس لیے قدرت نے دونوں طرح کی روشنی کا انتظام اسی طرح فرمایا کہ آفتاب کی روشنی کو ضوء وضیاء کا درجہ دیا اور کاروبار کے وقت اس کا ظہور فرمایا اور چاند کی روشنی کو ہلکی اور پھیکی روشنی بنایا اور رات کو اس کا محل ظہور بنایا۔[61]

قرآن کریم نے شمس و قمر کی روشنیوں میں فرق و امتیاز کو متعدد جگہ مختلف عنوانات سے بیان فرمایا ہے۔ سورۃ نوح میں ہے: وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا (نوح71: 16) سورۃ فرقان میں فرمایا: وَجَعَلَ فِيهَا سِرَاجًا وَقَمَرًامنيرا (فرقان25: 61) سراج کے معنی چراغ کے ہیں اور چونکہ چراغ کا نور ذاتی ہوتا ہے کسی دوسری چیز سے حاصل کردہ نہیں ہوتا اس لیے بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ ضیاء کسی چیز کی ذاتی روشنی کو کہتے ہیں اور نور اس کو جو دوسرے سے مستعار اور حاصل کردہ ہو، مگر یہ بظاہر یونانی فلسفہ سے متاثر ہو کر کہا گیا ہے ورنہ لغت میں اس کی کوئی اصل نہیں، اور قرآن کریم نے اس کا کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا۔ مقصود ان آیات سے انسان کو یہ بتلانا ہے کہ آسمان میں بڑے بڑے ستارے، اور شمس و قمر اور اُن کے ذریعے رات دن کا انقلاب اور ان کی تاریکی اور روشنی اور زمین و آسمان کی تمام کائنات اس لیے پیدا کیے ہیں کہ غور و فکر کرنے والوں کو اس میں حق تعالی

---

59 عبد الماجد دریا آبادی، تفسیر ماجدی، 422۔

60 الزمخشري، الكشاف عن حقائق غوامض التنزيل، 2/329۔

61 مفتی شفیع، معارف القرآن، 4/504۔

کی قدرت کاملہ اور توحید کے دلائل فراہم ہوں۔[62]

آیت مبارکہ کی سائنسی تشریح شاید جانچ پڑتال کا سامنانہ کر سکے۔ یہ صحیح نہیں ہے کہ قرآن نے لفظ "ضیاء" اس روشنی کے لیے جو کہ جلنے کے عمل سے پیدا ہوتی ہے اور "نور" اس روشنی کے لیے استعمال کیا ہے جو اس عمل کے ساتھ ہوتی۔ دوسری آیت میں قرآن جلنے کا عمل واضح طور پر بیان کرتا ہے اور پھر لفظ نور کا اطلاق ایسی روشنی پر کرتا ہے۔ قرآن کہتا ہے: اس کے نور کی مثال کچھ یوں ہے کہ گویا ایک طاق ہے جس میں چراغ رکھا ہو، چراغ ایک شیشے میں ہو، شیشہ ایسا ہو جیسے ایک ستارا، موتی کی طرح چمکتا ہوا، وہ چراغ ایسے برکت والے درخت یعنی زیتون سے روشن کیا جائے جو نہ (صرف) مشرقی ہو نہ (صرف) مغربی۔ ایسا لگتا ہو کہ اس کا تیل خود ہی روشنی دے گا۔ چاہے اسے آگ بھی نہ لگے، نور بالائے نور (النور، 35:24) آیت میں جلنے کے کیمیائی عمل کی تمام علامات کو لفظ نور کے لیے جیسے لیمپ، تیل اور آگ کو استعمال کیا گیا اور آخر میں نتیجہ نور علی نور بیان کیا گیا ہے۔ اس طرح سائنسی تشریح سے جو فرق گھڑا گیا بے بنیاد اور الفاظ کی لغت نگاری کی جڑوں سے تجاوز ہے۔[63]

**نشانات انگشت(Finger Prints)سائنسی اور قرآنی نقطہ نظر:**

نشانات انگشت ہر انسان کا امتیازی نشان ہے۔ اس دنیا میں ہر انسان کی انگلیوں کے نشانات ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ جب تک کوئی بڑا زخم نہ آجائے انگلیوں کے نشانات ایک شخص کی زندگی میں کبھی تبدیل نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان نشانات کو ایک نہایت اہم شناختی کارڈ تصور کیا جاتا ہے اور یہ دنیا بھر میں اسی مقصد کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ تاہم دو سو سال پہلے انگلیوں کے نشانات اس قدر اہم نہ تھے کیونکہ انیسویں صدی کے آخر میں یہ بات دریافت ہوئی تھی کہ انسانوں کی انگلیوں کے نشان ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں اور ذاتی شناخت کے لیے اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ 1880ء میں ایک انگریز سائنسدان Henry Faulds نے اپنے ایک مقالے میں جو "Nature" نامی سائنسی جریدے میں شائع ہوا، اس بات کا انکشاف کیا تھا کہ لوگوں کی انگلیوں کے نشان عمر بھر تبدیل نہیں ہوتے اور ایسے مشتبہ لوگ جن کی انگلیوں کے نشان کسی شے پر مثلاً شیشے وغیرہ پر رہ جاتے

62ایضاً،504/4-508-

63 Dr. Usman Ahmad, "Isharat Al-Nass in The Quran: An Analysis of Its Role In the Quranic Interpretation", 310.

ہیں ان کی بنیاد پر مقدمہ چلایا جاسکتا ہے۔[64]

## قرآنی آیت سے استدلال-سائنسی تعبیر:

ارشاد ربانی ہے: أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَلَّنْ تَجْمَعَ عِظَامَهُ Oبَلَى قَادِرِينَ عَلَى أَنْ نُسَوِيَ بَنَانَهُ [65] (کیاانسان یہ سمجھ رہاہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو اکٹھانہ کر سکیں گے ؟کیوں نہیں؟ہم تو اس کی انگلیوں کی پور پور تک ٹھیک بنادینے پر قادر ہیں)ہند شبلی"التفسير العلمي للقرآن الكريم بين النظريات والتطبيق "میں لکھتے ہیں کہ "نُسَوِيَ بَنَانَهُ" کے الفاظ کا خصوصی ذکر اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ نشانات انگشت خاص پہچان کے نشان ہوتے ہیں جس کے ذریعے ایک انسان کو دوسرے سے یقیناً مختلف طور پر پہچانا جاتا ہے۔ آیت کا یہ اشارہ ہزاروں سال مخفی رہااور بعد میں سائنسی ترقی نے اس حیران کن حقیقت سے پردہ اٹھایا کہ انسان کی شناخت نشانات انگشت کے ذریعے ہو سکتی ہے جیسے کہ کوئی بھی دو قسم کے انگوٹھوں یا انگلیوں کے نشانات ایک جیسے نہیں ہوتے۔ اگرچہ انسان کا تمام جسم ایک معجزے کی درجہ بندی ہے لیکن اس میں انسانی چہرے، زبان، گلے اور آوازوں کی امتیازی خصوصیات فرق رکھنے کا معیار نہیں بن سکتیں۔[66]

مذکورہ بالا آیت مبارکہ میں جب قرآن پاک انسانوں کی انفرادی شناخت کی بات کر رہاہے تو"انگلیوں کی پوروں"کا خصوصیت سے تذکرہ کیوں کر رہاہے ؟ظاہر ہے یہ فنگر پرنٹس کائنات کے سائنسی طریقے کی طرف اشارہ ہے ہر انسان کے نشانات کا نمونہ انفرادیت کا حامل ہوتا ہے جو 1400 سال پہلے ہی قرآن نے اس سائنسی حقیقت کو بیان کر دیا تھا۔[67]

## روایتی تعبیر و تشریح:

قرآن کا معاملہ یہاں کافروں کے کئے جانے والے بکثرت اعتراضات کے ساتھ ہے، کہ مرنے کے بعد جب انسان مٹی ہو گیااس کی ہڈیاں بھی ریزہ ریزہ ہو کر منتشر ہو گئیں ان کو دوبارہ کیسے جمع کر کے زندہ کیا جائے گا۔ یہ

---

64ہارون یحیی، اللہ کی نشانیاں، مترجم: تصدق حسین (پاکستان: اسلامک ریسرچ سنٹر، نومبر 2000ء)، 98، 99۔

65القیامۃ:75: 3-4 -

66هند شبلى، التفسير العلمي للقرآن الكريم بيان النظريات والتطبيق ( تونس: جامعة الزيتونة ، 1985ء)، 121؛ اسماعيل ابراهيم، القرآن والاعجاز العلمي، 111۔

67ذاکر نائیک، خطباتِ ذاکر نائیک، 198، 199۔

آیت ان الفاظ کے ساتھ اس اعتراض کی تردید کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر انسان کی انگلیوں کے پور بنانے پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ اللہ تعالی انسانی وجود کی چھوٹی سے چھوٹی تفصیل سے آگاہ ہے اور اس کے لیے دوبارہ زندہ کرنا آسان ہے۔ ایک انسان جس ہیئت و جسامت اور شکل و صورت پر پہلے پیدا کیا گیا تھا قدرتِ حق دوبارہ بھی اس کے وجود میں انہی ساری چیزوں کو بغیر کسی ادنی فرق کے جمع کر دے گی حالانکہ یہ کھربوں انسان ابتدائے دنیا سے قیامت تک پیدا ہوتے اور فنا ہوتے رہے۔ اللہ تعالی نے اس آیت میں فرمایا کہ ہم صرف اس پر قادر نہیں ہیں کہ میت کے سارے بڑے بڑے اجزاء واعضاء کو دوبارہ اسی طرح بنادیں بلکہ انسانی وجود کی چھوٹی سے چھوٹی چیز کو بھی ہم ٹھیک اسی طرح کر دیں گے جس طرح وہ پہلے تھی اس میں "بنان "یعنی انگلیوں کے پوروں کا خاص ذکر فرمایا کہ وہ جسم کے سب سے چھوٹے اجزاء میں سے ہے۔ اگر اللہ ان چھوٹے اجزاء کی دوبارہ تخلیق پر قادر ہے تو اس کے لیے انسانی جسم کے بڑے بڑے اجزاء کو دوبارہ تخلیق کرنا بہت آسان ہے۔[68]

فنگر پرنٹس کی بطور انسانی شناخت سائنسی دریافت کا آیت أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَلَّنْ نَجْمَعَ عِظَامَهُ بَلَى قَادِرِينَ عَلَى أَنْ نُسَوِيَ بَنَانَهُ سے اخذ کرنے میں سب سے پہلے تحقیق کی ضرورت ہے کہ آیا یہ لفظ "انسوی "انہی معنوں میں آتا ہے یا نہیں ؟ لغت کے اعتبار سے کہا گیا کہ مذکورہ لفظ توازن اور یکسانیت کے معنوں میں آتا ہے۔[69] قرآن پاک میں اسی لفظ کا مادہ انہی معنوں میں استعمال کیا گیا ہے جب کہا گیا: الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ [70] اس آیت سے ظاہر ہے کہ صرف "نسو یه البنان "ہی نہیں بنایا گیا بلکہ تمام انسانی جسم نے اس حق کا لطف اٹھایا ہے۔ لہذا یکسائیت یا توازن کے معنی امتیازی نشانات انگشت کے لیے معاون نہیں ہیں۔ تاہم، اگر ہم اسے مذکورہ بالا سائنسی انکشاف کی تائید میں تسلیم کریں تو تب یہ صرف نشانات انگشت تک محدود نہیں ہوں گے بلکہ تمام جسم کو یہ خصوصیت حاصل ہو گی۔ یہ کیسا منطق ہے ؟ کہ حتمی معنوں کو "نسو یہ البنانہ "کے ساتھ جوڑا جائے لیکن جب یہی لفظ "فَسَوَّاكَ "تمام انسانی جسم کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، تو ہم اس نتیجے کو اخذ نہیں کرتے۔ ایک اور معنی جو "نسو یہ "

68القرطبي، الجامع لاحكام القرآن، 19/94؛ ابوالحسن على بن محمد الماوردى ،النكت العيون (بيروت، دار الكتب العلميه، س-ن)،6/150 ؛ مفتى شفيع، معارف القرآن، 8/624،623۔

69ابن منظور، لسان العرب، 6/210۔

170الانفطار 7:82۔

کے ساتھ جوڑا جا سکتا ہے وہ آرائش جمال کا ہے۔[71] منطقی طور پر آرائش جمال نشانات انگشت کے قابل شناخت کی سائنسی دریافت کی علامت نہیں ہو سکتی۔

**حاصل کلام:**

مسلمان مفکرین نے اپنے مدبرانہ رویے سے ہر سائنسی ایجاد یا نظریے کو قرآن مجید سے ثابت کرنے کی کوشش کی بلکہ یہ مقدس کتاب میں اپنے خیالات کا اظہار ہے۔ یہ قرآن کی خامی نہیں ہے کہ اگر کوئی سائنسی نظریہ قرآن میں واقع نہیں ہو سکا جیسا کہ فزکس کی کتابوں کی خامی نہیں ہے جو حکومت چلانے کے قانونی نظریات سے خالی ہیں۔ ایک کتاب اُس وقت بہترین تسلیم کی جاتی ہے جب وہ جامع طور پر اپنے موضوع سے متعلقہ مواد مہیا کرتی ہے، بجائے بے سمت معلومات کی توسیع اور مرکزی موضوع کے بغیر ہو۔

ایک بات اصولی طور پر سمجھ لینا ضروری ہے کہ قرآن کریم کوئی فلسفہ یا ہئیت کی کتاب نہیں جس کا موضوع بحث حقائق کائنات یا آسمانوں اور ستاروں کی ہئیت و حرکات وغیرہ کا بیان ہو مگر اس کے ساتھ ہی وہ آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی کائنات کا ذکر بار بار کرتا ہے انہیں غور و فکر کی طرف دعوت بھی دیتا ہے قرآن کریم کی ان تمام آیات میں غور کرنے سے واضح طور پر یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ قرآنِ عزیز ان حقائق کونبیہ کے متعلق انسان کو صرف وہ چیزیں بتانا چاہتا ہے جن کا تعلق اس کے عقیدے اور نظریے کی درستی سے ہو یا اس کے دینی اور دنیوی منافع اُن سے متعلق ہوں۔ "جہاں تک انسانی جد وجہد اور فکری ارتقاء اور اس کی عجوبہ کاری اور حیرت انگیز انکشافات کا معاملہ ہے وہ اپنی جگہ درست اور عام نظروں کے اعتبار سے قابل تحسین بھی ہے لیکن موجودہ سائنس کی جدید ترقیات و تحقیقات کو عین منشاء قرآنی سمجھنا بھی غلط ہے جیسا کہ بعض تجدد پسند علماء نے لکھا ہے اور قرآن کو اُن کا مخالف کہنا بھی غلط ہے جیسا کہ بعض قدامت پسند علماء نے کہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن نہ ان چیزوں کے بیان کے لیے آیا ہے نہ یہ اس کا موضوع بحث ہے نہ انسان کے لیے اُن کا حاصل کرنا آسان ہے نہ انسانی ضروریات سے اس کا کوئی تعلق ہے۔ قرآن ان معاملات میں ساکت ہے۔ قرآن کی دعوت صرف اُسی حد تک ان چیزوں میں غور و فکر کی ہے جو عام مشاہدے اور تجربے سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ تجربات و مشاہدات سے کوئی چیز ثابت ہو جائے تو اس کو قرآن کے منافی کہنا بھی صحیح نہیں ہے اور جب تک ثابت نہ ہو خواہ مخواہ اس کے تصورات باندھنا اور اس میں عمر عزیز کے

71الزمخشري ،الكشاف عن حقائق غوامض التنزيل،4/659۔

اوقات صرف کرنا بھی کوئی دانشمندی نہیں۔

قرآن کی تعبیر و تشریح میں سائنسی نظریات کی موافقت یا مخالفت کا صحیح معیار کیا ہے؟ مفتی شفیع صاحب لکھتے ہیں: علماء اہلِ حق قدیم وجدید اس پر متفق ہیں کہ ان مسائل کے متعلق جو بات قرآنِ کریم سے یقینی طور پر ثابت ہے، اگر کوئی قدیم یا جدید نظریہ اُس سے مختلف ہو تو اس کی وجہ سے قرآنی آیات میں کھینچ تان اور تاویل جائز نہیں، اس نظریہ ہی کو مغالطہ قرار دیا جائے گا، البتہ جن مسائل میں قرآن کریم کی کوئی تصریح موجود نہیں الفاظ قرآنی میں دونوں معنے کی گنجائش ہے وہاں اگر مشاہدات اور تجربے سے کسی ایک نظریہ کو قوت حاصل ہو جائے تو آیت قرآن کو بھی اُسی معنی پر محمول کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔[72]

الغرض کائنات افلاک و فضاء اور کائنات ارضی میں غور و فکر اسی حیثیت سے کہ اُن سے پیدا کرنے والے کے وجود اور توحید اور اس کی بے مثال علم و قدرت پر استدلال کیا جاسکے عین مقصودِ قرآنی ہے، اور قرآن جابجا اس کی دعوت دے رہا ہے۔ کائنات عالم میں غور و فکر اور تدبیر کی دعوت دو حیثیتوں سے ہے۔ پہلی حیثیت جو اصل مقصود ہے، یہ ہے کہ ان آثار عجیبہ کو دیکھ کر مؤثر حقیقی اور اس غیر محسوس قوت کا یقین کر لیں جو اس سارے نظام کو چلا رہی ہے، اُسی کا نام خدا ہے۔ دوسرے ان زمینی اور آسمانی مخلوقات میں اللہ تعالی نے انسان کے فائدے کے لئے ہر ضرورت کی چیز ودیعت فرمادی ہے۔ انسان کا کام یہ ہے کہ اپنی عقل و شعور اور جد وجہد سے کام لے کر ان چیزوں کو زمین کے خزائن سے نکالنے اور استعمال کرنے کے طریقے سیکھ لے۔ پہلی حیثیت اصل مقصود ہے اور دوسری حیثیت ثانوی رفع ضرورت کے لئے ہے، اس لئے ضرورت سے زائد اس میں انہماک پسندیدہ نہیں اور کائنات عالم میں غور و فکر اور تدبر کی دونوں حیثیتیں انسان کے لئے آسان بھی ہیں، نتیجہ خیز بھی۔

[72] مفتی شفیع، معارف القرآن، 489/6-497۔